ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ۔ سابق پروفیسر عربی، پنجاب یونیورسٹی

افریقہ اور اسلام

اسلام کا بارانِ رحمت دنیا کے تقریباً ہر حصہ پر برسا ہے اور ہر خطہ نے اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق اس سے فیض پایا ہے۔ پرانی دنیا کے تین برّاعظم ہیں: ایشیا، یورپ اور افریقہ۔ اسلام کو ان تینوں برّاعظموں کے ساتھ مذہبی، سیاسی اور تمدّنی لحاظ سے کم و بیش تعلق رہا ہے اور اہلِ اسلام نے ان کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔ مقالہ ہذا میں اس بات کی اختصار کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے کہ افریقہ اور اسلام کے باہمی تعلقات کے بہت سے دلچسپ پہلو ہیں، جو قابلِ تذکرہ ہیں۔ سب سے اہم اور نمایاں پہلو یہ ہے کہ اسلام کی برکت سے افریقہ کے بہت سے باشندوں نے نہ صرف عقائدِ فاسدہ اور اوہامِ باطلہ سے نجات پائی ہے، بلکہ اسلام کے رواج اور مسلمانوں کے میل ملاپ سے ان کی اخلاقی اور تمدّنی سطح بھی بلند ہو گئی ہے۔

اپنے اصولوں کے لحاظ سے اور اپنے مشرب کے اعتبار سے اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، جو نسلی اور قومی امتیازات سے بالاتر ہے۔ اس کا سایہ بہت سی مختلف قوموں کے سر پر رہا ہے اور اسلامی تہذیب و تمدن کی تعمیر و ترقی میں عربوں کے علاوہ ایرانیوں، ترکوں اور دیگر قوموں نے بھی حصّہ وافر لیا ہے لیکن جہاں تک افریقہ کا تعلق ہے، اسلام کی نمائندگی بیشتر عربوں ہی نے کی ہے اور سیاسی اور تمدّنی لحاظ سے افریقہ کی تسخیر انہی کے حصہ میں آئی ہے۔ مغربی افریقہ اور بلادالسّودان میں اسلام کی اشاعت میں بربروں نے بھی کوشش کی ہے، لیکن عربوں کے مقابلہ میں ان کی حیثیت ثانوی رہی ہے۔

اقوامِ قدیمہ

عربوں کی آمد سے پہلے کئی قدیم قوموں نے افریقہ میں اپنی بساطِ حکومت بچھائی تھی لیکن اس کی تسخیر اور آبادکاری میں جو کامیابی عربوں کو حاصل ہوئی، وہ اور کسی قوم یا حکومت

کو ان سے پہلے نصیب نہیں ہوئی تھی۔ قدیم مصری لوگ شاہراہ تمدّن کی بہت سی منزلیں طے کر چکے تھے۔ ان کی ایک اعلیٰ منظم حکومت تھی اور علوم و فنون اور صنائع و حرف ہر لحاظ سے ترقی یافتہ تھے جیسا کہ ان کے آثار و عمارات سے ظاہر ہے۔ لیکن افریقہ کے برِاعظم میں ان کا سیاسی اور تمدنی اثر و نفوذ وادیِ نیل سے کبھی آگے نہ بڑھ سکا۔ اسکندر اعظم کی فتوحات کے بعد مصر میں اس کے سپہ سالار بطلیموس کے خاندان کی حکومت قائم ہوئی یہ لوگ یونانی تھے، جن کے عہد میں اسکندریہ کے شہر نے سیاسی، تجارتی اور علمی لحاظ سے بے نظیر شہرت حاصل کی۔ لیکن یونانیوں کا دائرہ عمل بھی مصر اور برقہ تک محدود رہا۔

شام کے ساحل پر ایک مدتِ دراز سے کنعانی لوگ آباد چلے آ رہے تھے اور عبرانیوں اور عربوں کی طرح یہ لوگ بھی سامی نسل سے تھے۔ یونانیوں نے ان کو فونیشی کہا ہے۔ حضرت مسیحؑ سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے کی بات ہے کہ کنعانی اپنے مرکزی شہر صور (Tyre) سے نکلے اور انھوں نے شمالی افریقہ کے ساحل پر موجودہ تونس کے قریب ایک نو آبادی بسائی اور اس کا نام قرت حدشہ رکھا۔ جو قریہ حدیثہ (یعنی شہر نو) کا مترادف ہے اور کتب تاریخ میں قرطاجنہ کے نام سے مشہور ہے۔ قرطاجنہ کی سلطنت کئی صدیوں تک قائم رہی لیکن افریقہ کے اندرونی علاقے ان کی دسترس سے باہر رہے۔ آخر کار رومیوں نے جو اُن کے حریف تھے مسلسل جنگوں کے بعد قرطاجنہ والوں پر غلبہ پایا اور ۱۴۶ قبل مسیح میں ان کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور قرطاجنہ والوں کی حکومت اور ان کی قومی زندگی کا چراغ ہمیشہ کے لیے گُل کر دیا۔ قدیم قوموں میں سے صرف رومیوں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ شمالی افریقہ کا بیشتر حصہ ان کی سلطنت میں شامل رہا لیکن ان کی حکومت بھی ساحلی علاقوں تک محدود رہی۔ ان کے مقبوضات کے جنوب میں صحرائے اعظم تھا لیکن اس میں داخل ہونے یا اسے عبور کرنے کا رومیوں کو کبھی خیال نہیں آیا۔

مذکورہ بالا قوموں کے مقابلہ میں عربوں نے افریقہ کے اکثر حصوں کو فتح کرنے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی اور وہ وہاں کے باشندوں کی زندگی پر ہر پہلو سے اثر انداز ہوئے۔ اس غیر معمولی کامیابی کے متعدد اسباب ہیں۔ جن پر ہم حسب موقع مناسب روشنی ڈالیں گے۔

پہلا سبب یہ ہے کہ افریقہ کے اکثر علاقوں کی آب و ہوا اور وہاں کے طبعی حالات کو بلادِ عرب کی آب و ہوا اور مرز بوم سے بہت مشابہت ہے۔ عربوں کو ان کی بدوی زندگی نے پہلے ہی سے بادہ پیمائی کا خوگر بنا رکھا تھا۔ چنانچہ جب عرب کے بیشتر سوار افریقہ کی حدود میں داخل ہوئے تو ان کی پیش قدمی میں طبعی حالات کی وجہ سے کوئی ایسی رکاوٹ پیش نہیں آئی، جو اُن کے لیے سدِ راہ ثابت ہوتی اور ان کے حوصلوں کو پست کر دیتی۔ چنانچہ افریقہ کا شاید ہی کوئی ایسا علاقہ ہوگا جہاں عربوں کے قدم نہ پہنچے ہوں، اور ان کی حکومت کا سکہ جاری نہ ہوا ہو۔ عربوں کے ہاں نقل و حرکت کا سب سے بڑا ذریعہ اُن کا اونٹ تھا جس کی جفاکشی اور بُردباری مشہورِ زمانہ ہے۔ افریقہ کے لق و دق صحراؤں کے عبور کرنے میں بھی یہی اونٹ عربوں کا رفیق اور ممد و مددگار ثابت ہوا۔

عربوں کی کامیابی کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ ان کے پاس ایک ولولہ انگیز مذہب تھا یعنی ایک ایسی آئیڈیالوجی تھی جس نے ان کے دلوں کو ایمان و ایقان اور عزیمت و ہمت کے جذبہ سے معمور کر دیا تھا اور ان میں ایک ناقابلِ تسخیر جوش و خروش بھر دیا تھا۔ جیسا کہ عقبہ بن نافع کے واقعہ سے ثابت ہے۔

عربوں کی ملکی فتوحات

افریقہ کا جو حصہ سب سے پہلے عربوں کے قبضہ تصرف میں آیا، وہ مصر کا مشہور اور قدیم مُلک ہے۔ اس تاریخی ملک کی فتح کا سہرا مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاصؓ کے سر ہے جنہوں نے اسکندریہ کی فتح کے بعد برقہ کے متصل علاقہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کے آگے طرابلس کا علاقہ تھا۔ جو حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں مفتوح ہوا۔ امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں عربوں نے شمالی افریقہ کے دیگر ساحلی علاقوں میں پیش قدمی کی جہاں ان کا مقامی بربری قبائل سے تصادم ہوا۔ عربوں کی طرح بربر لوگ بھی صحرا نورد، بہادر اور جفاکش تھے۔ بربروں کو مسخر کرنے میں عربوں کے پچاس سال صرف ہوئے۔ آخر کار عربوں نے ان کو اپنا حلیف اور دست و بازو بنا لیا اور اندلس کا شاداب ملک ان کے تعاون سے فتح کیا لیکن ہمیں سرِ دست ان کارناموں سے سروکار نہیں جو عربوں نے اندلس کی سرزمین میں انجام دیئے۔ بلکہ ہمیں اس سرگرمی کی طرف مختصر

اشارہ کرنا مقصود ہے، جو انھوں نے افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں دکھلائی تھی۔

امیر معاویہؓ نے ۵۰ھ میں حضرت عمرو بن العاص کے خالہ زاد بھائی عقبہ بن نافع کو دس ہزار فوج دے کر بربریوں کی سرکوبی پر مامور کیا۔ عقبہ بن نافع اپنے نامور بھائی کی طرح بڑے باہمت اور صاحب عزم تھے۔ انھوں نے بربروں کو زیر کرکے قیروان کا شہر آباد کیا اور اسے خوب مضبوط کرکے عربی حکومت کا صدر مقام بنایا۔ چند سال کے بعد یزید بن معاویہ کے عہدِ حکومت میں عقبہ بن نافع اپنی مشہور تاریخی یلغار پر روانہ ہوئے اور مغرب کی طرف ایک بگولہ کی طرح بڑھتے ہوئے بحرِ ظلمات یعنی اوقیانوس کے ساحل تک جا پہنچے۔ جب خشکی ختم ہو گئی اور عقبہ کو اپنی مزید جولانی دکھانے کے لیے آگے اور کوئی میدان نظر نہ آیا تو انھوں نے کمال تہور اور جانبازی سے کام لے کر اپنا گھوڑا پانی میں اتار دیا اور کہا کہ "اگر میرے راستے میں سمندر حائل نہ ہوتا تو میں راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوئے اور آگے بڑھتا چلا جاتا۔" جب بحرِ ظلمات کی وجہ سے عربوں کی پیشقدمی مغرب کی طرف رُک گئی تو انھوں نے افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس اثنا میں وہاں کے اکثر بربری قبیلے دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اور عربوں کے دست و بازو بن چکے تھے۔ ان کی متفقہ کوششوں سے اسلام کا قدم مغربی افریقہ میں بڑھتا گیا اور سینی گال اور نائیجیریا کے علاوہ تمام مغربی سوڈان ان کے سائے تلے آ گیا۔

عربوں کی تجارتی سرگرمیاں

کشورکشائی کے بعد عرب تاجروں کی نوبت آئی جو فاتحین کے نقشِ قدم پر افریقہ میں وارد ہوئے۔ ایک تجارتی شاہراہ مصر سے چل کر افریقہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ مراکش تک پہنچتی تھی۔ قافلوں کی حفاظت کے لیے اس پر جابجا چوکیاں قائم تھیں۔ عربوں کے تجارتی قافلے مصر سے چل کر مغرب کا رُخ کرتے اور قیروان ہوتے ہوتے مراکش اور اندلس تک جا پہنچتے پھر جنوب کا رُخ کرتے اور بحرِ اوقیانوس (اطلانتک) کے ساتھ ساتھ بربروں کے علاقے سے گزر کر مغربی سوڈان میں داخل ہوتے۔ مسلمان تاجروں کی آمد و رفت سے ان علاقوں میں اسلام کے ساتھ ساتھ اسلامی تمدّن بھی پھیلتا گیا۔ مسلمان حکمرانوں نے مغربی سوڈان میں ٹمبکٹو کا شہر آباد کیا، جو جلد ہی

اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم کا ایک مشہور مرکز بن گیا۔ انھوں نے یہاں مسجدیں اور مدرسے تعمیر کیے جہاں سے اسلام کی روشنی دُور دُور تک پھیلنے لگی۔ سوڈان میں مسلمان تاجر مشرق کی جانب سے بھی داخل ہوئے۔ وہ افریقہ کے اس تمام حصے کو جو صحرائے اعظم کے جنوب میں واقع ہے، بلادِ السُّودان یعنی سیاہ فام لوگوں کا ملک کہتے تھے۔ لفظ سوڈان اسی بلاد السودان کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ عرب تاجر افریقہ سے زیادہ تر سونا، تانبا، ہاتھی دانت، آبنوس کی لکڑی، اور لونڈی غلام برآمد کرتے تھے۔

ناظرین کرام نے اخبارات میں غانہ (Ghana) کا نام پڑھا ہوگا جسے ۶ مارچ ۱۹۵۷ء کو برٹش کامن ویلتھ کے اندر خود مختار حیثیت دی گئی تھی۔ غانہ بھی مغربی افریقہ کا ایک علاقہ ہے جہاں کئی سو سال ہوئے، اسلام کا قدم پہنچا تھا۔ غانہ کے پائے تخت کے قریب سونے کی کانیں تھیں اور آس پاس کے ملکوں کے ساتھ خوب تجارت ہوتی تھی جس سے وہاں کے باشندے بڑے خوشحال ہو گئے تھے۔ غالباً اسی وجہ سے بعض عرب مصنفوں نے غانہ کو "بلاد الغنائم" کا نام دیا ہے جو ملک کی دولت مندی اور مرفہ الحالی کی دلیل ہے۔ مشہور جغرافیہ نگار البکری نے اپنی کتاب "المُغرب فی اخبار المغرب" میں غانہ کا تفصیلی حال لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے آٹھ سَو سال پہلے مسلمانوں کے قدم وہاں پہنچ چکے تھے۔ اور ان کی ایک خاصی بڑی آبادی وہاں قائم ہو چکی تھی۔ اس زمانے سے لے کر آج تک اسلام کا اثر و رسوخ وہاں بدستور بڑھتا چلا آیا ہے۔

عربوں کی تجارت افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ بھی پھیلی ہوئی تھی اور اس میں زیادہ تر عمان اور عدن کے عرب حصہ لیتے تھے۔ عربوں کی آمد و رفت سے مشرقی ساحل کی بہت سی بندرگاہوں نے رونق پائی اور بلادِ السُّومال سے لے کر موزنبیق تک ان کی بہت سی نوآبادیاں قائم ہو گئیں۔ مثلاً مقدیشو، کلدا، ممباسہ اور زنجبار وغیرہ۔ ان میں سے زنجبار نے سب سے زیادہ شہرت پائی، جہاں عمان کے عربوں نے ایک مستقل سلطنت قائم کر لی تھی۔ عربوں نے نہ صرف وہاں کی قدرتی پیداوار برآمد کر کے ملک کو مالی فائدہ پہنچایا۔ بلکہ اس کی اقتصادی دولت میں ایک اور طریق سے بھی اضافہ کیا۔ وہ انڈونیشیا سے لونگ (قرنفل) کا درخت لائے۔ اور زنجبار کے علاقے میں اس کی کاشت شروع کر دی۔ یہ درخت یہاں خوب پھلا پھولا۔ چنانچہ

اس کے باغات آجکل میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لاکھوں روپیہ کی لونگ دساور کو جاتی ہے اور ملک کی دولت کو بڑھاتی ہے اور حکومت کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

عربوں کی کامیابی کا ایک راز

عربوں کو افریقہ کی سرزمین میں اپنی تہذیب و ثقافت پھیلانے میں جو غیر معمولی کامیابی ہوئی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ذہنی طور پر نسلی اور قومی امتیازات سے بالاتر تھے۔ یعنی انھوں نے افریقہ کے اصلی باشندوں کو صرف اس بنا پر کبھی حقارت سے نہیں دیکھا کہ وہ سیاہ رنگ کے ہیں یا کسی غیر نسل سے ہیں، بلکہ عرب جہاں کہیں بھی گئے، مقامی لوگوں سے گھل مل گئے۔ اس رواداری اور فراخدلی کی بدولت ان کو غیر قوموں کو متاثر کرنے کے بہترین مواقع ملتے آئے اور وہ اپنے دینی اور دنیوی مقاصد کے حصول میں خوب کامیاب رہے۔

عربوں کی رواداری اور ان کے عدم تعصّب کے مقابلہ میں یورپ کی اقوام کا جو سلوک افریقہ کے اصلی باشندوں کے ساتھ رہا ہے، اس کی بدترین اور شرمناک مثال اس وقت جنوبی افریقہ میں ہمارے سامنے ہے جہاں مدرسوں، ہسپتالوں اور ہوٹلوں کے دروازے ملک کے اصلی باشندوں پر بند ہیں۔ اور قدم قدم پر ان سے نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ بیچارے عام بسوں میں گورے لوگوں کے ساتھ سفر نہیں کر سکتے اور جب وہ اس نسلی امتیاز اور بدسلوکی کی بنا پر بسوں کا استعمال ترک کر دیتے ہیں تو ان پر مزید سختی کی جاتی ہے۔ اقوام متحدہ کے علاوہ دنیا کے کئی ملکوں نے انفرادی طور پر بھی جنوبی افریقہ کی گوری حکومت کی کئی مرتبہ پرُزور مذمت کی ہے لیکن اس گوری حکومت کا ضمیر اس قدر مردہ ہو چکا ہے کہ ان کو اپنی روش کی نامعقولیت کا ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا۔

اسلام کا ثقافتی اثر

افریقہ کے باشندوں کو مہذب بنانے اور ان کی اخلاقی اور تمدنی سطح کو بلند کرنے میں عربوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کی صرف یہی ایک وجہ نہیں تھی کہ وہ اہل افریقہ کی بہ نسبت زیادہ ترقی یافتہ تھے، بلکہ اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان کے پاس ایک آئیڈیالوجی تھی، ایک ضابطۂ حیات تھا۔ یعنی وہ ایک خاص مذہب و مسلک کے پابند تھے، جس نے ان کی زندگی میں ایک انضباط

پیدا کردیا تھا اور یہی انضباط زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی کامیابی کا ضامن تھا۔ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور اپنے حلقہ بگوشوں سے اس بات کی توقع رکھتا ہے بلکہ ان کا فریضہ قرار دیتا ہے کہ جو نورِ ہدایت ان کو ملا ہے اس کی روشنی دوسروں تک پہنچائیں اور ایمان کی جو دولت ان کے حصہ میں آئی ہے اس میں دوسروں کو بھی شریک کریں اس اصول کی بنا پر عرب لوگ جہاں کہیں گئے اپنا مذہب بھی ساتھ لیتے گئے اور اس کی اشاعت میں کوشاں رہے۔ چنانچہ ان کی تبلیغ سے افریقہ کی بہت سی قومیں اور بہت سے قبیلے مسلمان ہو گئے اور قبولِ اسلام سے ان کی اخلاقی حالت خود بخود بہتر ہو گئی۔ جن مغربی سیاحوں نے سوڈان اور افریقہ کے دیگر علاقوں کا سفر کیا ہے اور وہاں کے حالات کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا ہے انھوں نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ اسلام اختیار کرنے سے لوگوں کی کایا پلٹ جاتی ہے سب سے پہلے عقیدۂ توحید سے ان کے دل و دماغ طرح طرح کے توہمات اور غلط تصورات سے پاک ہو جاتے ہیں اور ان کے اوہام اور غلط خیالات دور ہو جاتے ہیں، جو ان کے ذہن کی پستی اور تاریکی کا موجب تھے۔ اسلامی مساوات اور اخوت سے ان کی قبائلی عصبیت بھی بہت حد تک زائل ہو جاتی ہے اور مقامی بتوں کے مٹنے سے وہ ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں اور باہمی اتفاق اور یکجہتی کا رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے اور ایک مشترک مذہب کے ساتھ تمام قوم میں وحدت پیدا ہو جاتی ہے اور باہمی مغائرت دور ہو جاتی ہے۔ نہ صرف جسمانی پاکیزگی کا معیار بلند ہو جاتا ہے بلکہ ان کے گاؤں بھی بیشتر کی نسبت زیادہ صاف ستھرے بن جاتے ہیں۔ جہاں کہیں مسجدیں تعمیر ہوتی ہیں وہ مدارس کا کام بھی دیتی ہیں اور عوام میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج ہو جاتا ہے اور خواندہ لوگوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ جو طالب علم زیادہ ہونہار یا شوقین ہوتے ہیں وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے بڑے شہروں میں چلے جاتے ہیں۔ لوگوں کی مجلسوں میں جو عموماً مساجد میں منعقد ہوتی ہیں ایک خاص قسم کا وقار پیدا ہو جاتا ہے۔ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو سلامتی اور امن کا پیغام دیتے ہیں۔ غرض کہ قبولِ اسلام کے بعد شائستگی اور تہذیب کے اعتبار سے ان کا درجہ یقیناً بلند ہو جاتا ہے۔

اقتصادی منافع

عربوں نے افریقہ کو صرف اخلاقی اور روحانی فیض سے بہرہ ور نہیں کیا، بلکہ اسے اقتصادی لحاظ سے بھی بے اندازہ فائدہ پہنچایا ہے۔ وہ جہاں کہیں گئے ہیں انھوں نے وہاں نئی صنعتوں

اور نئے پودوں اور نئے درختوں کی کاشت کو رواج دے کر وہاں کی قدرتی دولت اور ذرائع معیشت میں ہمیشہ کے لیے بیش بہا اضافہ کر دیا ہے۔ مثلاً مصر میں عربوں نے اپنی حکومت کی ابتدا ہی میں نیشکر یعنی گنّے کی کاشت شروع کر دی تھی۔ جس سے مصر میں قندسازی کی صنعت نے بڑا فروغ پایا۔ بعد ازاں انھوں نے سوڈان میں کپاس کی کاشت کا آغاز کیا اور یہاں کی زمین کپاس کے پودے کے لیے ایسی سازگار ثابت ہوئی کہ آجکل مصری کپاس اپنے ریشہ کی درازی کی وجہ سے دنیا کی بہترین کپاس تصور ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے زنجبار کے جزیرہ اور اس کے متصلہ علاقے میں لونگ کی کاشت کو رواج دیا اور اب یہی کاشت وہاں کے باشندوں اور حکومت کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ جہاں تک صنعتوں کا تعلق ہے عربوں نے افریقہ میں چمڑے کی دباغت کو اعلیٰ معیار پر پہنچا یا تھا۔ چنانچہ عمدہ قسم کا جو چمڑا مراکو میں تیار ہوتا تھا وہ آج تک مراکولیدر کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔

صدرِ اسلام کے مذہبی روابط

مذکورہ بالا واقعات سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ باعتبار زمانہ اسلام اور افریقہ کے تعلقات بہت قدیم ہیں۔ اسلام کا پہلا دارالہجرت اور مامن افریقہ ہی کی سرزمین تھی جہاں مومنین سابقین کو اپنے دشمنوں سے پناہ ملی۔ ابتدائے اسلام میں جب مشرکین مکّہ کی اذیت رسانی حد سے بڑھ گئی اور مسلمانوں کے مصائب ناقابلِ برداشت ہوگئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستم رسیدہ مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ جو لوگ چاہیں خاموشی سے سمندر پار کر کے حبشہ کے ملک میں چلے جائیں۔ تجارتی تعلقات کی وجہ سے دونوں ملکوں کے درمیان آمد و رفت پہلے ہی سے جاری تھی اور اہلِ مکّہ حبشہ کے ملک اور وہاں کے راستے سے بخوبی واقف تھے۔ وہاں کا عیسائی حکمران جو نجاشی کے لقب سے مشہور تھا بڑا عادل اور منصف مزاج تھا۔ مسلمان مہاجرین اس کے زیرِ سایہ حبشہ میں کئی سال تک امن و امان کے ساتھ مقیم رہے۔ آخر کار جب عرب میں اسلام کا بول بالا ہوگیا تو اپنے وطن کو واپس آئے۔

یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ اسلام کے پہلے مؤذن سیدنا بلال رضؓ بھی حبشی تھے اور

اس لحاظ سے افریقہ ہی ان کا آبائی وطن تھا۔ یہ دلچسپ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ امّتِ محمدیؐ کا سب سے پہلا شہید بھی افریقہ ہی کی خاک سے اٹھا تھا۔ میری مراد حضرت سمیہؓ سے ہے، جو حضرت یاسر یمنیؓ کے حبالہ نکاح میں تھیں۔ حضرت یاسرؓ اور ان کی زوجہ دونوں اسلام کی عادلانہ تعلیم سے متاثر ہو کر مسلمان ہو چکے تھے اور اسی جرم کی پاداش میں ابوجہل کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے۔ آخر کار حضرت سمیہؓ اسی شقی کے ہاتھوں ہلاک ہوگئیں۔ مورخین نے صراحت کی ہے کہ اسلام میں وہ پہلی شہید ہیں جنھوں نے جادۂ اسلام پہ ثابت قدم رہ کر اپنے دین کی خاطر جان دی۔ ان کے بعد ان کے شوہر حضرت یاسرؓ نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ ان شہیدانِ وفا کی داستان بڑی رقت انگیز اور ایمان پرور ہے لیکن اس کے بیان کا یہ محل و موقع نہیں[1]۔ غرض یہ چند ایک امتیازات ہیں جن پر افریقہ کی سرزمین جتنا بھی فخر کرے بجا ہے۔

خلاصۂ کلام

عربوں کی آمد سے افریقہ میں مختلف نوعیت کے بہت سے اہم نتائج پیدا ہوئے جن کو مختصر طور پر ترتیب وار یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ سیاسی انقلاب: عربوں کی فتوحات سے جو سیاسی نتائج پیدا ہوئے، وہ بڑے دُوررس اور دیرپا ثابت ہوئے۔ عربوں کی فتوحات نے افریقہ کے بہت سے ملکوں کا سیاسی نقشہ صدیوں کے لیے بدل دیا، اور مسلمان حکمرانوں کے بیسیوں خاندان افریقہ کے مختلف حصوں میں برسرِ اقتدار آئے جن میں عربی، بربری اور سوڈانی سبھی نسلوں کے فرماں روا شامل تھے۔ جب افریقہ میں عربوں کی سیاسی قوت میں ضعف و انحطاط آیا تو مرابطین اور موحدین خاندانوں نے اُن کی جگہ لے لی اور اشاعتِ اسلام میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ قرونِ وسطیٰ میں مغربی افریقہ اور بلادِ السودان میں مقامی مسلمانوں کی متعدد مستقل سلطنتیں ظہور

[1] مصری ادیب ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے شمعِ رسالت کے ان پروانوں کا تذکرہ اپنی کتاب "وعد الحق" میں اپنے مخصوص انداز میں کیا ہے، جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کتاب کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے جو ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔

میں آئیں جو کئی صدیوں تک خاصی شان و شوکت کے ساتھ قائم رہیں۔ آخر کار یورپ کی عیسائی قوموں کے استعمار نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان کو خود مختاری سے محروم کر دیا لیکن موجودہ صدی میں جب استعماری قوموں کی گرفت ڈھیلی ہوئی، تو انہوں نے ۱۹۶۰ء میں افریقہ کی متعدد سلطنتوں یعنی چاڈ، نیجر، نائیجیریا، کیمرون، مالی، موریطانیہ، سنی گال اور وولٹا کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا۔ ان علاقوں کی غالب آبادی مسلمان ہے لیکن مغربی شاطروں کی عیاری کی وجہ سے ابھی تک پورے اقتدار سے محروم ہے۔ ان سلطنتوں کے علاوہ افریقہ کے متعدد ممالک خود مختار حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً مصر، سوڈان، تونس، الجزائر، مراکو اور لیبیا (جس میں طرابلس، برقہ اور فزان کے تین وسیع علاقے شامل ہیں) ان ملکوں کی سرکاری زبان عربی ہے اور ان کی اکثر آبادی مسلمان ہے۔

۲۔ مذہبی انقلاب :-

عربوں اور مسلمان بربری قبیلوں نے اسلام کی اشاعت میں جو کوشش کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی، مغربی، وسطی اور مشرقی افریقہ میں اسلام سب سے غالب مذہب نظر آتا ہے اور بت پرستی اور عیسائیت کے مقابلہ میں ہر جگہ اب بھی فروغ پا رہا ہے۔ اکثر مبصرین کا خیال ہے کہ افریقہ کی کم از کم نصف آبادی مسلمان ہے اور دیگر علما کا اندازہ ہے کہ اس برّاعظم کی نصف سے زیادہ آبادی اسلام کی حلقہ بگوش ہے۔ دیگر اقطاعِ عالم کی طرح افریقہ میں بھی اسلام اور نصرانیت ایک دوسرے کے ازلی حریف ہیں، اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ افریقہ میں اسلام کی اشاعت کے لیے ایک وسیع میدان موجود ہے اور اہلِ اسلام کو پکار پکار کر دعوتِ عمل دے رہا ہے۔

۳۔ نسلی تبدیلیاں :

عربوں نے شمالی افریقہ میں بربروں کے ساتھ اور بلاد السودان میں سیاہ فام لوگوں کے ساتھ شادی بیاہ کا رشتہ قائم کیا جس سے طبعی طور پر مختلف علاقوں میں مختلف درجوں کا نسلی اختلاط پیدا ہوا اور نسلی اور قومی لحاظ سے کئی نئی صورتیں ظہور میں آئیں۔ اگر کوئی عرب کسی غیر قوم کی عورت سے نکاح کرے تو ان کی اولاد مُولّد کہلاتی ہے جیسے انگریزی میں (mula. HO) لکھتے ہیں۔ افریقہ میں اس قسم کے مولّدین بکثرت پائے گئے ہیں۔

جب عربوں نے اسلامی عہد میں افریقہ کے مشرقی ساحل پر اپنی نوآبادیاں مثلاً مقدیشو ممباسہ، کلوا اور موزنبیق قائم کیں اور مقامی بانٹو قوم کی عورتوں سے بکثرت شادیاں کیں، تو ان دونوں قوموں کے باہمی اختلاط سے ایک نئی قوم پیدا ہوئی جو اس بنا پر سواحلی کہلائی کہ وہ پہلے پہل ساحلی علاقوں میں نمودار ہوئی تھی۔

۴۔ لسانی تبدیلیاں:

عربوں نے اپنی زبان کی وسعت اور اس کی قوتِ بیانی پر ہمیشہ سے فخر کیا ہے اور اس کے ساتھ ہر جگہ اور ہر حالت میں تمسّک کیا ہے۔ چنانچہ افریقہ میں بھی عرب فاتحین کے ساتھ ان کی زبان بھی آئی۔ عربوں کے پورے قبیلے اپنے وطن سے اُٹھ کر آئے تھے اس لیے افریقہ کے کئی ملکوں پر عربی زبان چھا گئی اور مقامی بولیاں رفتہ رفتہ مٹ گئیں۔ مثلاً مصر میں وہاں کی قدیم مقامی زبان یعنی قبطی چند ہی صدیوں میں متروک ہو گئی اور اس کی جگہ عربی نے لے لی اسی طرح شمالی افریقہ کے تمام علاقوں میں عربی قبیلوں کی آمد کے ساتھ ہر جگہ عربی زبان رائج ہو گئی۔ اور عام بول چال کے علاوہ عربی نے وہاں سرکاری اور علمی زبان کی حیثیت اختیار کر لی۔ ایشیائی ملکوں کی طرح افریقی ممالک نے بھی عربی زبان کے بڑے بڑے جید عالم اور مصنف پیدا کیے ہیں، حتیٰ کہ سنی گال جیسے دُور افتادہ علاقے سے بھی شیخ شنقیطی جیسے متبحر عالم اُٹھے ہیں۔

مشرقی افریقہ میں عربوں اور مقامی لوگوں کے باہمی اختلاط سے سواحلی قوم کے ساتھ ساتھ سواحلی زبان بھی معرضِ وجود میں آئی۔ یہ زبان جو عربی اور بانٹو عناصر سے مرکب ہے، پہلے پہل ساحلی علاقوں میں نمودار ہوئی لیکن بعد ازاں اندرونِ ملک میں بھی پھیلتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ تمام مشرقی افریقہ کی عام فہم زبان بن گئی، چنانچہ سواحلی آج کل مشرقی افریقہ کے پانچ کروڑ انسانوں کی تقریری اور تحریری زبان بن چکی ہے۔ گزشتہ صدی میں متعدد علما نے سواحلی زبان اور اس کے ادب کا بغور مطالعہ کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سواحلی اگرچہ اپنی صرفی اور نحوی ترکیب کے لحاظ سے ایک افریقی زبان ہے لیکن اس میں عربی الفاظ کی کثرت ہے، اور اس زبان میں جو ادب پیدا ہوا ہے، اس کے موضوعات اور اسالیب بیان بیشتر عربی اور اسلامی آداب سے ماخوذ ہیں۔

۵ ۔ اسلامی ثقافت کے اثرات :

اسلامی اصول اور اسلامی تہذیب کی برکت سے عرب لوگ تمدن کے ایک اعلیٰ درجہ پر فائز تھے ۔ اُن کے میل ملاپ اور اُن کے اثر سے مقامی باشندوں کے اخلاقی معاشرتی اور تمدنی حالات بہتر ہوگئے اور اُن میں ایک پسندیدہ شائستگی پیدا ہوگئی ، جو اُن کو دیگر بُت پرست قبیلوں اور قوموں سے ممتاز کرتی ہے ، اس ثقافتی انقلاب کی طرف ہم گزشتہ صفحات میں اشارہ کر چکے ہیں ۔

۶ ۔ اقتصادی اور مادّی فوائد :

یورپ کی اکثر استعماری قوموں اور حکومتوں نے افریقہ کے قدرتی وسائل و ذرائع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے اور مقامی باشندوں کا بیدردی سے استحصال کیا ہے اور اس کے علاوہ ان کو نظرِ حقارت سے دیکھا ہے ، لیکن ان کے مقابلہ میں عربوں نے مختلف صنعتوں اور نئے پودوں اور درختوں کی ترویج سے افریقہ کی اقتصادی دولت میں دائمی اضافہ کر دیا ہے ۔ اس کی چند ایک مثالیں اوپر گزر چکی ہیں ۔

سطور بالا کے مطالعہ سے ناظرین کرام پہ یہ امر بخوبی واضح ہو گیا ہو گا کہ " افریقہ اور اسلام " کا موضوع بہت وسیع ہے اور اس کے متعلق ابھی بہت کچھ کہنے اور سننے کی گنجائش باقی ہے ۔

معارفِ حدیث

اردو ترجمہ

معرفۃ علوم الحدیث

(مولانا محمد جعفر پھلواروی)

" معرفۃ علوم الحدیث " فنِ حدیث میں ایک بڑی گراں قدر تصنیف تسلیم کی گئی ہے اس کے مصنف امام ابو عبداللہ الحاکم نیساپوری (۳۲۱ھ - ۴۰۵ھ) ہیں اس میں احادیث کی قسمیں ، راویانِ احادیث کے مراتب اور ان کے حالات ۔ نیز اس سلسلے کی دوسری معلومات سب آگئی ہیں ۔ ترجمہ بڑا شگفتہ اور رواں ہے صفحات : ۳۸۸ ، قیمت : ۹/ روپے

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ، کلب روڈ ، لاہور